حافظ لدھیانوی

یادوں کے انمول خزانے

لدھیانہ میں مشنری آباد تھے جو بھنگیوں کے محلے میں جا کر عسائیت کی تبلیغ کرتے۔ ان مشنریوں کو حکومت برطانیہ وافر امداد دیتی تھی۔ تبلیغ کے لئے ان کے پاس خطیر رقم موجود رہتی تھی۔ وہ بے دریغ خرچ کر سکتے تھے۔ مگر ایسا کوئی ادارہ مسلمانوں میں نہ تھا جو اس طرح تبلیغ کا حق ادا کرتا۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی رہائش عیسائیوں کی آبادی کے سرے پر تھی۔ وہ صاحب بصیرت تھے اور مشنریوں کے انداز تبلیغ اور سرگرمیوں سے واقف تھے اسی سلسلے میں انہوں نے ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا۔ جلسہ بوئٹنگ کرسچن ہائی سکول کے کھلے میدان میں ہوا۔ یہ کھیلوں کا وسیع میدان تھا۔ خطیب اعظم امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری کو جلسے سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔ شاہ جی کے نام کا اعلان سنتے ہی دور دراز سے لوگ شاہ جی کی تقریر سننے کے لئے آئے۔ حد نظر تک انسانوں کا جم غفیر تھا۔ اس جلسے میں ارد گرد کی آبادی کے عیسائی بھی شامل تھے۔ سکول کے دونوں پرنسپل جی بی لیڈر اور یوئٹنگ سٹیج پر موجود تھے۔ یہ دونوں انگریز شستہ اردو بولتے تھے۔ ان کے تلفظ اور لب ولہجہ اور انداز گفتگو سے غیر ملکی ہونے کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ یہ ۱۹۳۸ء کی بات ہے کہ شاہ جی کی جوانی کا زمانہ تھا۔ ان کا زور خطابت بے مثل، ان کا انداز بیان منفرد، انکا موضوع کو حسین پیرائے میں بیان کرنے کا ڈھنگ ہر مقرر سے مختلف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زبان و بیان پر قدرت کاملہ عطا فرمائی تھی۔ ہزاروں کے مجمع میں شاہ جی کی آواز کے سوا دوسری آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ شاہ جی سٹیج پر تشریف لائے۔ مشتاق نگاہوں نے شاہ جی کا استقبال کیا۔ عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ شاہ جی نے خطبہ مسنونہ شروع کیا۔ سارا مجمع قرآن پاک کی تلاوت اور حسن لحن میں کھو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سوز اور آواز کا سحر عطا فرمایا تھا۔ ہر شخص شاہ جی کی تلاوت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ خطبۂ مسنونہ کے بعد شاہ جی نے تقریر کا آغاز کیا۔ شاہ جی کی خطابت دلوں کو مسحور اور ذہنوں کو متاثر کر رہی تھی۔ سارا مجمع خاموش تھا۔ سانس تک کی آواز نہ آتی تھی۔ عجیب محویت کا عالم تھا۔ پرنسپل صاحبان حیرت سے شاہ جی کو تک رہے تھے۔ ان کی نظریں شاہ جی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ان کی خاموش نگاہوں نے تحسین کی صورت اختیار کر لی تھی۔ رات ڈھل رہی تھی۔ شاہ جی کی تقریر جوبن پر آرہی تھی۔ عیسائی جھوم رہے تھے۔ شاہ جی نے عیسائیت کے اثرات اور اس کے اسباب پر سیر حاصل تبصرہ کیا اور انکی کامیابی کو مسلمانوں کی کمزوری قرار دیا۔ کوئی منظم جماعت نہ تھی۔ جو عیسائیت کی اشاعت اور تبلیغ کے مقابلے میں مؤثر کردار ادا کرتی۔ شاہ جی کی خطابت غیر مسلموں سے بھی داد وصول کر رہی تھی۔ خطابت جب نقطۂ عروج پر پہنچی اور شاہ جی نے ذہنوں کو فکر کی دولت بخشی تو عیسائیوں سے دریافت کیا کہ تم اپنے دلوں کو ٹٹول کر سچی بات کہو۔ کہ تم نے عیسائی مذہب کیوں اختیار کیا۔ فاقہ کشی، غربت اور بیکاری نے تمہیں

عیسائیت قبول کرنے پر مجبور تو نہیں کیا۔ سینکڑوں ہاتھ اٹھ گئے۔ نجانے شاہ جی کی خطابت میں کون سا جادو تھا کہ عیسائی اپنی کمزوری کا کھلم کھلا اعتراف کر رہے تھے۔ عیسائی مبلغین کی برسوں کی ریاضت اور محنت کا طلسم چند لمحوں میں ٹوٹ گیا۔ ہمارے پرنسپل صاحبان کو اس وقت ہوش آیا کہ جس شخص کے حسن خطابت کی ہم داد دے رہے تھے اس نے ہم پر کیسا مہلک وار کیا۔ موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے جلسے کے اختتام پر انہوں نے شاہ جی سے گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا اور جلسہ گاہ سے رخصت ہو گئے۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مجلس احرار اسلام ہند کے صدر تھے۔ ان کا مکان ہمارے گھر کے قریب ہی تھا۔ جب کسی بزرگ یا کسی معروف ہستی کی آمد کی خبر ملتی تو میں مولانا کے مکان پر اس کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے لئے چلا جاتا یہ محفلیں، یہ مجلسیں زندگی کے حسین ترین لمحات کی یادگاریں ہیں۔ حافظ قرآن ہونے کی وجہ سے مجھے ان کا قرب نصیب ہوا۔ انکی محبت نے مجھے بے تکلف بنا دیا تھا۔ میں کالج سے لوٹا، کتابیں گھر پر رکھیں مولانا موصوف کے دولت کدے پر پہنچ گیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ ان کے زور خطابت کے قصے سن چکا تھا۔ ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے، ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع میسر آیا۔ دن کے چار بجے ہوں گے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی جوانی کا زمانہ تھا۔ علمائے کرام میں اللہ تعالیٰ نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو جمال کا پیکر، حسین خد و خال کا وجیہہ و شکیل پیکر بنایا تھا۔ آواز میں داؤدی نغمہ تھا جب کلام پاک کی تلاوت کرتے تو غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ ان کی تلاوت روحوں کو سیراب کرتی اور دلوں پر انوار کی بارش کرتی ہوئی معلوم ہوتی۔ میں نے بے تکلفی سے مولانا حبیب الرحمن صاحب کے آگے سے چائے کی پیالی اٹھالی۔ شاہ جی نے مجلس کے آداب کے پیش نظر مجھے جلال سے دیکھا۔ میں لرز گیا۔ اتنے میں مولانا نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ شاہ جی کا جلال یک دم جمال میں بدل گیا۔ قہر آلود نگاہوں میں یک لخت شفقت کی لہر دوڑ گئی۔ سمجھ گئے کہ یہ مولانا کا چہیتا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہ سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ یہ ملاقات زندگی بھر کے نیاز مندانہ تعلقات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ بارہا شاہ جی کی صحبتوں سے مستفیض ہوا۔ انکی خطابت کے انداز دیکھے۔ ان کی محبت و شفقت کے مختلف زاویئے نظر سے گزرے۔ انکی مجلسی زندگی میرے لئے ادب کا درس تھی۔ شعری ذوق بھی وہیں نکھرا۔

ایک دفعہ شاہ جی تقریر فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت استدلال کا انوکھا انداز عطا فرمایا تھا۔ بات ہندوؤں کی ہو رہی تھی۔ شاہ جی ہندوؤں کی ذہنیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے کہ جب ان کو تکلیف پہنچتی ہے تو مسلمانوں کے ہمدرد بن جاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بچہ جب گود میں ہوتا ہے تو ڈاڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ میرے بچے نے بھی ڈاڑھی کو زور سے پکڑا اگر جھٹکا دے کر ڈاڑھی چھڑواتا تو بالوں کے ٹوٹ جانے کا خطرہ تھا۔ میں نے ایک ترکیب سوچی میں آہستہ آہستہ اس کے سر کے بال کھینچنے لگا۔ جونہی میں بال کھینچتا جاتا تھا اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی تھی۔ آخر اس نے ڈاڑھی چھوڑ

دی۔ بالکل اس طرح ہی ہندوؤں کا معاملہ ہے جتنی زور سے آپ انکی بودی کھینچیں گے وہ آپ کی ڈاڑھی چھوڑتا جائے گا ورنہ وہ آپکی ڈاڑھی کا ایک ایک بال کردے گا۔ بات ساری قوت کی ہے۔

تقسیم ہند و پاک کے بعد بھی دہلی دروازہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو تقریر کا جادو جگاتے دیکھا۔ راقم الحروف بھی اس جلسے میں موجود تھا۔ شاہ جی نے واشگاف الفاظ میں کہا ہمارا ایک سیاسی نظریہ تھا قوم نے قبول نہیں کیا۔ پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ اب ہم سب کا ملک ہے ہم سب کا وطن ہے۔

آ ملے ہیں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک

اس کا دشمن سے دفاع ہمارے ذمہ ہے۔ شاہ جی نے یہ ثابت کردکھایا۔ جب لیاقت علی خان نے دشمن کو مکہ دکھایا تو شاہ جی نے ملکی دفاع کے سلسلے میں کئی تقریریں کیں۔ حب الوطنی کا ثبوت دیا۔ اب ان کے سامنے کوئی سیاسی نظریہ نہ تھا۔ انکا واحد مطمح نظر ردِ قادیانیت تھا۔ تحفظ ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔

اسکے لئے شاہ جی نے اپنی زندگی وقف کردی۔ اور آخری سانس تک اس دینی محاذ پر ڈٹے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ جی اور ان کے رفقائے کار کی قربانیوں کو قبول کیا اور قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دیا گیا۔

ملتان سے یوں تو بہت سی یادیں وابستہ ہیں مگر وہ یاد جو سرمایہ حیات ہے جس کے نقوش کبھی مدھم نہ ہوں گے، وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، ادبی، مذہبی صحبتیں ہیں، پروفیسر بشیر الرحمٰن ملک ان دنوں ایمرسن کالج میں پروفیسر تھے، ان سے میری دوستی لاہور کے قیام میں ہوئی جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں لیکچرار تھے، بہت ستھرا شعری ذوق تھا، خوبصورت گفتگو کرتے تھے، مہمان نواز، خلیق دوستوں کو زندگی کا سرمایہ سمجھنے والے تھے۔ پروفیسر بشیر الرحمٰن ملک کبھی، کبھی میرے ساتھ شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوتے، شاہ جی جس موضوع پر بھی گفتگو کرتے ان کا اپنا انداز، اپنا نقطہ نظر اپنا انداز فکر ہوتا، وہ تقلید جامد کے تو قائل ہی نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی صلاحیتوں سے نواز تھا، میں نے اپنی ادبی زندگی میں شاہ جی سے بڑا شعر فہم نہیں دیکھا، وہ شعر کی روح کو سمجھتے تھے شعر کے بارے میں ان کا فیصلہ سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ خوبصورت شعر حسن قرأت شاہ جی کی روح کی غذا تھی، شاہ جی کو آپ شعر سنا رہے ہوں ان کے ہونٹوں کی بناوٹ اور آنکھوں کی سجاوٹ شعر کا حسن بتاتی تھی، معیار سے گرا ہوا شعر شاہ جی کی محفل میں بار نہ پاسکتا تھا، ان کو فارسی اور اردو شعراء کے بے شمار اشعار از بر تھے وہ اپنی تقریروں میں ان اشعار کو نگینوں کی طرح جڑ دیتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ شاعر نے شعر اسی موقع کے لئے کہا ہے شاہ جی کے شعر پڑھنے کا انداز کوئی نہ اپناسکا، آواز کی زیروبم سے اشعار کے معانی واضح ہوتے جاتے تھے، مزید تشریح کی ضرورت نہ رہتی، شعر تقریر کے موضوع کی وضاحت کردیتا۔

میں چھٹی کے روز یا دفتری اوقات کے بعد شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوجاتا، ان کی عالمانہ گفتگو سے میرا دامن علم وادب کے موتیوں سے بھر جاتا،

شعر کی سمجھ، دین کا فہم، گفتگو کا انداز، اخلاق کی تعلیم، محبت کے قرینے، دلداری کے طریقے ان صحبتوں

کے حاصل ہیں، ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے مجموعہ کمالات و اوصاف بنا دیا تھا، بقول ابوالکلام آزاد ان کے ذہن میں کن کن متضاد علوم نے آشیانہ بنا رکھا تھا۔ ہر ملاقاتی اس چشمہ زلال سے سیراب ہو کر جاتا، ان ملاقاتیوں میں ہر طبقہ، ہر مکتبہ فکر کے لوگ ہوتے، نوجوان طبقہ تو شاہ جی کا عاشق تھا، ان کی شگفتہ مزاجی نے انہیں شاہ جی کے قریب کر دیا تھا کالج کے طلبہ علم و ادب کے خزانے سمیٹنے آتے، علماء دینی شغف پورا کرتے، سیاسی لوگوں کو نیا زاویہ فکر مل جاتا۔

شاہ جی کی تبلیغ کا انداز دوسرے علمائے کرام سے یکسر مختلف تھا، وہ کفر کے فتوے صادر نہ کرتے وہ حسین انداز سے دینی مسائل سمجھاتے اور تبلیغ کا حق ادا کر دیتے اس ضمن میں ایک دو واقعات ان کی دور بینی، شگفتہ مزاجی کی تصدیق کریں گے۔

اسی طرح ایک دن شاہ جی سے کسی نے تصویر کھنچوانے کے بارے میں سوال کیا شاہ جی نے فرمایا ازروئے شریعت تصویر کھنچوانا جائز نہیں۔ اس نے جواب میں کہا کہ آپ کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوتی ہیں اس کا کیا جواز ہے شاہ جی نے اپنی مدافعت میں کوئی بات نہیں کی، شاہ جی اپنی صفائی میں بہت کچھ کہہ سکتے تھے مگر وہی شگفتہ مزاجی کے انداز میں فرمایا تم مجھ سے مسئلہ دریافت کرنے آئے تھے کہ میرے گناہوں کی فہرست تیار کرنے آئے تھے، وہ اس جواب سے بہت نادم ہوا۔

ایک دن قاضی احسان احمد شجاع آبادی میری موجودگی میں شاہ جی سے ملنے آئے، مسلسل بیماری اور نقاہت کی وجہ سے شاہ جی کا حافظہ کافی حد تک متاثر ہو چکا تھا۔ بات یاد نہ رہتی تھی، پریشان ہو جاتے تھے، قاضی صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے تمہیں کوئی بات کہنا تھی اب حافظے سے نکل گئی ہے۔ قاضی صاحب نے کہا جو بات کسی کو کہنا ہو وہ ایک ڈائری میں لکھ لیا کریں۔ شاہ جی کی شگفتہ مزاجی عود کر آئی مجھے مخاطب ہو کر کہنے لگے قاضی کو خدا جانے کب سمجھ آئے گی پھر قاضی صاحب کی طرف رخ کر کے کہنے لگے قاضی ڈائری میں لکھنے کے لئے بھی یادداشت کی ضرورت ہے۔

مجھے اساتذہ کے اشعار ازبر تھے۔ جب میں حاضر ہوتا تو مجھ سے متقدمین شعرا کا انتخاب سنتے عموماً شعر پسند فرماتے اگر کوئی شعر بہت پسند ہوتا تو ایک کاپی میں لکھوا لیتے، ایک دن میں نے حیدر دہلوی کا شعر سنایا۔

چمن والوں سے مجھ صحرا نشیں کی بودوباش اچھی
بہار آکر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

شاہ جی درویش صفت انسان تھے، سادہ زندگی بسر کی، ان کے دل میں ثروت و دولت کی کبھی ہوس پیدا نہیں ہوئی، ہندوستان کا خطیب اعظم کرائے کے مکان میں رہا جس میں برسوں سے قلعی نہیں ہوئی تھی دیواروں سے مٹی گرتی رہتی تھی اس مکان کا فرش اکھڑا ہوا تھا، بیٹھک میں صوفے اور قالین نہ تھے، مگر اس مرد مجاہد، اس متوکل انسان کے لب پر کبھی حرف شکایت نہ آیا۔ شاہ جی مذکورہ بالا شعر مزے لے لے کر پڑھتے اور مصرع ثانی بار بار پڑھتے۔

بہار آ کر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی شاہ جی کا گھر قرون اولیٰ کے بزرگوں کی یاد تازہ کرتا تھا، اس گھر سے تقویٰ کی خوشبو، علم کی مہک فقر کا انداز قناعت کا رنگ اور بے نیازی کی شان نظر آتی تھی۔ بے نیازی کے سلسلے میں ایک واقعہ یاد آ گیا۔

صدر پاکستان سکندر مرزا ملتان آئے، شاہ جی کو پیغام بھیجا کہ انتہائی ممنون ہوں گا اگر آپ ملاقات کے لئے تشریف لائیں، قاصد نے سکندر مرزا کا پیغام دیا، کوئی اور ہوتا تو اپنے لئے اعزاز سمجھتا کہ صدر پاکستان ملاقات کے خواہش مند ہیں مگر شاہ جی کی شان درویشی نے اسے قبول نہ کیا۔ قاصد سے کہا کہ مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ سکندر مرزا سے مجھے کوئی کام ہے وہ اگر ملنا چاہتے ہوں تو فقیر کے دروازے کھلے ہیں علامہ اقبال نے ایسے ہی مرد قلندر کے بارے میں شعر کہا ہوگا۔

نہ تخت وتاج میں نے لشکر وسپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

شاہ جی کو دنیا کی ہوس نہ تھی وہ اگر چاہتے تو ہر تقریر میں ہزاروں روپے جمع کر سکتے تھے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزار سکتے تھے۔ مگر شاہ جی کو تو ایک ہی لگن تھی کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی لوگوں تک پہنچائیں عاقبت کے لئے سرمایہ اکٹھا کریں جو دنیا کے زوال پذیر سرمائے سے کہیں ارفع واعلیٰ جو ہمیشہ رہنے والا ہے شاہ جی نے کاذب نبی کی جھوٹی نبوت کے دعوے کے تاروپود بکھیر دیئے، ہزاروں سادہ لوح مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچا لیا اس مشن کے لئے ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے ساری زندگی وقف کر دی بڑھاپے تک اس محاذ پر لڑے اللہ تعالیٰ نے مخلصانہ سعی مشکور فرمائی اور اس دجال فریبی اور گستاخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرقے کو خارج از اسلام قرار دے کر شاہ جی کی قبر کو منور کر دیا۔

شاہ جی کی تقریر جلال وجمال کا حسین امتزاج ہوتی شاہ جی کے الفاظ میں شبنم کی لطافت شاخ گل کی لچک ستاروں کی چمک، بلبل کا نغمہ اور بہاروں کا حسن ہوتا تھا۔ اگر شاہ جی کی زبان پر خدا اور اُس کے محبوب ﷺ کے باغیوں کی بات ہوتی تو شاہ جی کی تقریر میں بادل کی گرج بجلی کی کڑک سمندر کا خروش شاہوں کا جلال اور مرد مجاہد کی شان ہوتی۔

اس محفل آراء شخص کی زندگی کے آخری ایام عزلت وتنہائی میں گزرے جس کی زندگی جید علماء نامور سیاسی شخصیات ممتاز شعراء مشہور صحافیوں کے درمیان گزری ہو وہ ان صحبتوں سے یک دم محروم ہو جائے تو اس کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ شاہ جی کی بیماری ان کی تنہائی تھی ایک دن فرمایا کہ میں اس محلے میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں جہاں مجھے اخبار پڑھ کر سنانے والا بھی کوئی نہیں۔ شاہ جی کے انٹرویو کے لئے صحافیوں کی ایک جماعت آئی خدا جانے اس جماعت کے اصحاب کیا کیا سوالات سوچ کر آئے ہوں گے اور ان کو کیسے کیسے جوابات کی توقع ہوگی ان کا خیال تھا کہ یہ انٹرویو کئی روز جاری رہے گا یہ تاریخ کا ایک اہم انٹرویو ہوگا جس

میں شاہ جی کی سیاسی زندگی مذہبی مجلسی زندگی کے واقعات تحریر کرنے کو ملیں گے۔ ان کو معلوم تھا کہ شاہ جی کا پیکر تو ہزار داستانوں کا مرقع ہے، خطابت کے انہوں نے سینکڑوں معرکے سر کئے، قید و بند کے بے شمار واقعات اس ذات گرامی سے وابستہ ہیں، خدا جانے کیا کیا خیالی تصویریں، تصوراتی دنیا کا نقشہ لے کر آئے ہوں گے شاہ جی سے انٹرویو کے لیے کہا شاہ جی اگر چاہتے تو سینکڑوں اوراق میں زندگی کے حالات قلم بند کرا دیتے جوان کی سیاسی جدوجہد، تبلیغی مساعی اور ادبی و علمی زندگی کے آئینہ دار ہوتے۔ تین مختصر سے جملوں میں اپنی ساری زندگی کا خلاصہ بیان کر دیا۔ فرمایا ایک تہائی ریل میں کٹ گئی ایک تہائی جیل میں کٹ گئی ایک تہائی جلسہ جلوسوں میں بسر ہو گئی، عطاء اللہ شاہ بخاری ختم ہو گیا، میر کا شعر یاد آ گیا۔

وہ لوگ تو نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کئے تھے چرخ نے جو خاک چھان کے

✻✻✻

حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ
کے صد سالہ یومِ ولادت پر
ماھنامہ نقیبِ ختمِ نبوت
کی یادگار اشاعت ایک تاریخی کارنامہ ہے۔
ھم ادارہ نقیب کے ارکان اور جملہ رفقاءِ احرار کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔
صوفی نذیر احمد چوھان، نیاز احمد، اعجاز احمد۔
سٹینڈرڈ ببکری، کچہری روڈ ملتان۔ فون ۴۴۴۹۳